ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

سرسید احمد خاں کے انحرافی تفسیری اصولوں کا تنقیدی جائزہ

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ و الفرقان کے متنی تناظر میں)

A Critical Review of Sir Syed Ahmad Khan's Deviant Exegetical Principles of Tafsīr

(In the light of Textual study of Tafsīr Al -Quran)

1.Amir Shahzad
PhD Scholar GC University Lahore, / Lecturer, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore.
(Email: hafiz.amirshahzad0300@gmail.com)
2.Muhammad Zubair
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.
(Email: zubi.tbz@gmail.com)
3. Hafiz Zaheer Azam
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.
(Email: zaheerazam2772@gmail.com)

Abstract:

Sir Syed Ahmad Khan (1817-1898) was an influential Indian Muslim reformer, educator, and writer who played a vital role in the socio-religious and educational renaissance of Indian Muslims during the 19th century. He is best known for his efforts to modernize Muslim society and promote education through rational and scientific inquiry. Sir Syed argued that the Quran should be interpreted contextually, considering the historical and cultural circumstances of its revelation. He believed that understanding the context in which Quranic verses were revealed is crucial for their proper interpretation and application in contemporary times. He emphasized the compatibility of Quranic teachings with modern science. Sir Syed maintained that Islam encourages the pursuit of knowledge and that any apparent contradictions between the Quran and scientific findings are due to misinterpretations of the Quranic text. Sir Syed was critical of superstitious beliefs and practices that had crept into Muslim society. He argued that such practices were not rooted in the Quran and needed to be eradicated for the community to progress. Sir Syed Ahmad Khan's rationalist approach significantly influenced Muslim thought in South Asia, encouraging a re-evaluation of traditional interpretations and fostering a spirit of intellectual and educational reform.

Key words: *Critical Review, Exegetical Principles, Tafsīr, Syed Ahmad Khan*

منہج تحقیق:(Research Method)

زیر بحث تحقیق کا منہج تنقیدی واستدلالی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

تحقیقی سوال:(Research Question)

1. "تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان" کی متنی حیثیت کیا ہے؟
2. کیا "تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان" کے متنی مباحث قرآن کریم کے ہدایتی مقاصدِ رُشد و ھدایت کی تکمیل میں کار آمد ثابت ہوسکتے ہیں ؟
3. کیا مذہب و سائنس باہم متصادم ہیں؟

پیش لفظ:

التحریر فی اصول التفسیر[1] سرسید احمد خاں کے تفسیری اصولوں پر مشتمل کتابچہ ہے جس میں 15 اصول تفسیر بیان کئے گئے ہیں۔ اِن اصولوں کے متن کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اکثر اصول جمہور مفسرین کے تفسیری اصولوں سے یکسر مختلف ہیں ہر آیت کو نظریہ عقلیت و عملیت کے تابع بنانے کے لئے نصوصِ قرآنیہ کی ایسی تاویلات کی گئیں ہیں جو متقدمین مفسّرین کے اصولوں کے صراحتاً منافی ہیں۔ سر سید احمد خاں کی تفسیر رائے و عقل کی آئینہ دار ہے۔ تفسیر قرآن از سید احمد خاں میں مذکور تاویلاتِ ذاتیہ و محرّفہ کا بنیادی مقصد احکاماتِ قرآن کو مغربی سائنسی و معروضی علوم وفنون کے تابع بنانا تھا[2] مطالعہ تفسیر قرآن سے ثابت ہوا ہے کہ سر سید احمد خان نظریہ عملیت کے قائل ہیں اُن کے نزدیک قرآن کریم کی ہر آیت کا عملی اطلاق ہونا ضروری ہے۔[3] سر سید صاحب کے مطابق کوئی آیت مبارکہ بھی اپنے مفہوم و معنیٰ میں مافوقُ العقل الانسانِی نہیں ہونی چاہئے کہ اس وجہ سے نزولِ قرآن کا مقصدِ ہدایت فوت ہو جاتا ہے۔ جدید عملی نظریات و اصولوں پر منضبط اس تفسیر کا سلسلہ 1879 عیسوی سے شروع ہوا اور آپ کی زندگی کے آخری سال تک جاری رہا اس کے باوجود تفسیر مکمل نا ہو سکی سر سید احمد خان نے چھے حصوں میں تفسیر القرآن کی تقسیم کی ہے:

تفسیر قرآن میں تقسیمِ سُور کا اسلوب:

1. حصہ اول از فاتحہ تا آل عمران
2. حصہ دوم از آل عمران تا الانعام
3. حصہ سوم انعام تا انفال
4. حصہ چہارم انفال تا ھود
5. حصہ پنجم ھود تا بنی اسرائیل
6. حصہ ششم بنی اسرائیل تا طٰہٰ آیت نمبر 135

---

1. خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، 1892ء۔

2 سید احمد خان، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، تاجر کتب قومی کشمیری بازار لاہور، ص 15، جواب خط مولوی مہدی علی خان

3 Sir Syed contended that the Quran is in harmony with science and rational thought, and any conflicts arise from incorrect interpretations of the text." (Metcalf, Barbara D. Islamic Revival in British India: Deoband, 1860-1900. Princeton University Press, 1982)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

1998 میں دوست ایسوسی ایٹس لاہور نے اس تفسیر کے تمام حصے ایک ہی جلد میں شائع کئے ہیں۔

سببِ تالیفِ تفسیرِ قرآن:

سر سید احمد خاں نے اپنی تفسیر کے لکھنے کا سبب خود ہی بیان فرمایا ہے۔

"غدر کے بعد مجھے اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی ایک زمانہ تک غور کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ علوم وفنونِ جدیدہ کی تعلیم کے بغیر مسلمانوں کی دینی اصلاح بھی نہیں ہو سکتی اور دنیوی اصلاح بھی نہیں ہو سکتی جب میں نے قرآن میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن سے جو اصول نکلتے ہیں ان کے مطابق قرآن اور علومِ جدیدہ میں کوئی مخالفت ہی نہیں ہے پھر میں نے انہیں اصولوں پر تفسیر لکھنا شروع کی"[1]

سورۃ طہٰ کی آیت نمبر 135 تک ہی لکھ پائے تھے کہ اجل نے آن گھیرا۔ سر سید احمد خان نے جن اصولوں پر اپنی تفسیر کو لکھا ہے مفسرین اس تقسیم کو تفسیر بالرائے مذموم کا نام دیتے ہیں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تفسیر بالرائے مذموم میں مُفسرِ اُن تاویلات کا سہارا لیتا ہے جو قرآن وسنت وجمہور مفسرین کی آراء سے متعارض ہوں سر سید احمد خان نے بھی ایسی ہی تاویلات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ جن اصولوں کا ناقدانہ جائزہ لیا جارہا ہے قارئین کی سہولت کے لئے اُن اصولوں کو لکھ لیا جائے تا کہ ہر اصل کی تاویل کا قرآن وسنت وجمہور کے مسلک سے تقابلی جائزہ کیا جاسکے۔

سر سید احمد خان کے تفسیری اصولوں کا اجمالی تعارف:(صفحہ 19 سے 36 تفسیر القرآن)

اصل الاوّل: خالقِ کائنات موجود ہے۔

اصل الثانی: خالق نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں اور محمد ﷺ رسولِ برحق وخاتم المرسلین ہیں۔

اصل الثالث: قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے۔نُزِّلَ علی قلبِ محمدٍ ﷺ او یوحی الیہ وانہ علیہ الصلوۃ والسلام ۔مایںطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ

اصل الرابع: عام علماء کرام کا مذہب ہے کہ قرآن جبرئیل فرشتہ نے آپ ﷺ تک پہنچایا ہے جبکہ میرا خاص مذہب ہے کہ ملکہ نبوت نے جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آپ ﷺ کے قلب پر القاء کیا ہے۔ الفاظ ومعانی دونوں کے ساتھ قرآن آپ ﷺ پر ملکہ نبوت نے القاء کیا ہے نا کہ نازل کیا۔

اصل الخامس: قرآن مجید بلکل سچ ہے اس میں کوئی بات خلافِ واقع مندرج نہیں ہے خود قرآن میں ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید[2]

اصل السادس: اللہ تعالی کی جو صفات قرآن میں وارد ہوئیں ہیں وہ سچ ہیں اور صحیح ہیں مگر ان صفات کی ماہیت کا من حیث ھی ھی جاننا مافوق العقل ہے۔ مگر جو صفات ظاہراً ہمارے سامنے موجود ہیں اُن کا واجب الوجود پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے۔

اصل السابع: صفاتِ باری تعالی عینِ ذات ہیں نا کہ غیر عینِ ذات، اور تمام صفات ازلی وابدی ہیں۔

اصل الثامن: جس طرح اللہ تعالی کے وعدوں میں تخلّف مُحال ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے نا کرے اسی طرح قانونِ فطرت (نیچر لزم) سے بھی تخلف محال ہے اور ممکن نہیں ہے کہ مافوق الفطرت یا مافوق العقل کوئی کام ہو جائے اس لئے کہ قانونِ فطرت اللہ کا عملی وعدہ ہے

---

1 مقدمہ تفسیر القرآن، سید احمد خان

2 حم السجدۃ:4

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

جس طرح قولی وعدوں میں تخلف محال ہے اسی طرح عملی وعدوں سے بھی تخلف محال ہے یعنی قانونِ فطرت کے خلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

- ((رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لاَّ رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللّهَ لاَ يُخْلِفُ الْمِيعَادَ-))[1]
- ((وكان وعده مفعولا))-[2]
- ((فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ-))[3]

اصل التاسع: قرآن کریم میں کوئی ایسا امر مذکور نہیں ہے جو قانونِ فطرت کے خلاف ہو۔

"واما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه الصلوۃ والسلام ما ادعیٰ باحد من المعجزات وقال علیه السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد وقال علیه السلام فی موضع آخر انما انا بشیر نزیر ولهذا قال المحقق الاجل الشاہ ولی الله فی التفهیمات الالٰهیة ولم یذکر الله سبحانه شیئاً من المعجزات فی کتابه ولم یشیر الیه قط"

"جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ ضرور کہا ہے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں اور میں بشیر و نذیر ہوں یہی وجہ ہے شاہ ولی اللہ نے **التفہیمات الا لٰھیة** میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا نا ہی ان کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔ آیات یا بینات کے الفاظ سے معجزات نہیں بلکہ احکام مراد ہیں۔"

اصل العاشر: قرآن مجید بتمامہ موجود ہے اس میں ایک حرف بھی کم نہیں ہوا نا زیادہ ہوا ہے" وتواترت علیه حیل بعد حیل فی قرن بعد قرب الی زماننا"

اصل احد عشر: ہر سورت کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہے اس لئے کہ

" اذا نزلت الآیات اشار رسول الله ﷺ انها من سورۃ کذا بعد آیته کذا وحفظها الحافظ فی عهد رسول الله ﷺ علی هذا الترتیب ولم یزل الصحابة والتابعون ومن بعدهم یقرؤن القرآن علی هذا"

اصل اثنی عشر۔ قرآن مجید میں ناسخ منسوخ آیات نہیں ہیں یعنی قرآن کی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہے۔

اصل ثلثة عشر۔ قرآن مجید دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے وقتاً فوقتاً واقعات پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس کے سبب سے وحی نازل ہوئی یہ ایک طبعی امر ہے۔ انسان کے دماغ میں متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرک کے وہ ملکہ تحرک میں نہیں آتا۔

اصل اربعة عشر: موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ قرآن کریم میں کہا ہے وہ سب مطابق واقع ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا قول

---

1 العمران:9

2 المزمل:18

3 الروم:29

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

اسکی مصنوعات کے خلاف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے خلاف ہوں۔

اصل خمسۃ عشر: قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو فصیح عربی زبان میں لئے جاتے ہیں لیکن جس طرح انسان اپنے کلام میں استعارہ تشبیہ تمثیل استعمال میں لاتا ہے اسی طرح قرآن میں بھی استعارہ تشبیہ و تمثیل موجود ہیں یہ دیکھنا لازم ہے کہ قرآن کے جو معنی مراد لئے جارہے ہیں ان پر کوئی عقلی عارضہ بھی موجود ہے یا کہ نہیں اگر ہے تو وہ معنی درست نہیں ہوں گے مثلاً خدا کے عرش پر استواء ہونے، اور اس کے ہاتھ منہ اور ساق ہونے میں ان الفاظ کے معنی اصلی اس لئے نہیں لئے جاسکتے کہ دلیلِ عقلی ان کے خلاف ہے (عقل تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہو) پس اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ان الفاظ کے معانی جو دلیلِ عقلی کے خلاف ہیں یا خود اس قانونِ فطرت کے خلاف ہو جو خدا نے بیان کیا ہے یا تجربہ کے مخالف ہوں چھوڑ کر دوسرے معانی مراد لئے جائیں۔

مذکورہ اصولوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ سرسید کے بعض اصولِ تفسیر درست ہیں مثلاً اللہ تعالی کا خالق ہونا، رسول اللہ ﷺ کا نبی خاتم المرسلین ہونا، اور قرآن کا آپ ﷺ کے قلب پر نازل ہونا جو کہ پہلے تین اصولوں کا خلاصہ ہے۔ لیکن سرسید احمد نے ان مذکورہ تینوں اصولوں کو بھی اپنے عقائد کے ضمن میں خود ہی رد بھی کر دیا ہے۔1 ذیل میں سرسید کے افکار کا جائزہ لیا جاتا ہے

نزول وحی و حقیقتِ نبوت کے متعلق سرسید احمد خاں کے افکار:

مذکورہ اصولوں میں سے چوتھا اصول اس مفہوم کی نشاندہی کرتا ہے کہ قرآن کریم کسی فرشتے کے ذریعے نازل نہیں ہوا تھا اور نا ہی نزول قرآن کے دورانیے میں کوئی جبریل نام کا ایلچی بطورِ نزولِ وحی قرآن، اللہ تعالی کی جانب سے مقرر کردہ تھا بلکہ وحی ایک فطری امر تھا جو نبی ﷺ کے ہاں فطرتاً "من حیث الخلقت" ہی موجود تھا اور یہی امر فطری وحی کو نبی ﷺ کے دل میں القاء کیا کرتا تھا نزولِ قرآن کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

"نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تمام ملکاتِ انسانی اُس کے ترکیبِ اعضاء، دل و دماغ و خلقت کی مناسبت اُس سے علاقہ رکھتے ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ بات کچھ ملکہ نبوت پر ہی موقوف نہیں ہے ہزاروں قسم کے جو ملکاتِ انسانی ہیں بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسی کا امام یا پیغمبر مانا جاتا ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاقِ انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضاء کے قوی ہو جاتے ہیں اس طرح یہ ملکہ بھی قوی ہو جاتا ہے اور جب اپنی پوری قوت میں پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آجاتا ہے جو اس کا مقتضاء ہوتا ہے جس کو عرفِ عام میں **بعثت** سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموسِ اکبر اور زبانِ شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔[2]

---

1 اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ اس کا پسندیدہ دین اسلام ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام) مگر سرسید اس پر راضی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: "جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے۔ خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان، نہ مقلد نہ لامذہب نہ یہودی اور نہ عیسائی، وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے"۔ (مقالاتِ سرسید، حصہ 15 ص147 ناشر مجلسِ ترقی ادب)

2 سید احمد خاں، تفسیر القرآن، جلد 1، ص:32

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

مذکورہ بالا عبارت کا ماحصل یہی ہے کہ سر سید احمد خان کے نزدیک نبوت ایک فطری امر ہے جو کہ دیگر انسانی خصلتوں کی مثل انسانی تخلیق کے ساتھ ہی ایک بشر کی طبیعت میں ودیعت کر دی جاتی ہے۔ سید احمد خان کے نزدیک نبوت کوئی مافوق الفطرت امر نہیں ہے اور اُن کے نزدیک نبوت کے لئے کسی بشر کا الگ سے چناؤ کیا جانا بھی ضروری امر نہیں ہوتا بلکہ ہر وہ بشر جس کو روحانی و اخلاقی تعلیمات کا ملکہ اللہ تعالی کی جانب سے ودیعت کیا گیا ہوتا ہے اور وہ ملکہ دیگر قوائے انسانی سے زیادہ مضبوط و فعّال ہو تو وہ نبی ہو سکتا ہے۔[1] سر سید نے متعدد پیشہ ور لوگوں کی مثال بھی دی ہے کہ جس طرح لوہار بھی دیگر انسانوں کی مثل ہی اپنے اعضائے جسمانی و قوائے عقلی کے پیدا کیا گیا ہے لیکن لوہار میں اس کے پیشہ کا ہنر و فنّ دیگر انسانوں کے یا دیگر قواء کے زیادہ مضبوط ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنے فنّ کے اعتبار سے امام یا پیغمبرِ فنّ ہوتا ہے۔ سر سیّد احمد خاں نبوت کو عطائی ملکہ نہیں سمجھتے بلکہ آپ کے نزدیک نبوت ایک فطری و ذاتی امر ہے جس کا تعلق قوائے انسانی کے ساتھ ہوتا ہے اور نبوت ایک عمومی فعل ہے۔

تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں:

> اس نبی (ﷺ) کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیاتِ ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے کر جاتا ہے اور پیغام لے کر آتا ہے وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جس میں سے خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرف اور بے صوت کلام کو سنتا ہے خود ہی اس کے دل سے فوارے کی مثل وحی اٹھتی ہے اور خود ہی اس پر نازل ہو جاتی ہے،،[2]

سر سید احمد کے بقول قرآن کریم واجب الوجود کی صفتِ ازلیہ نہیں ہے:

مذکورہ عبارت سے اصلاً و حقیقتاً یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر سید احمد خان کے ذاتی نظریات کے مطابق قرآن کریم واجب الوجود کی صفتِ ابدیہ نہیں ہے

۔

قرآنِ کریم منزل من اللہ نہیں ہے بلکہ قرآنِ پاک رسول اللہ ﷺ کا اپنا کلام ہے جو آپ ﷺ کے دل سے خود ہی فوارے کی مثل ابھرتا ہے اور نازل ہو جاتا ہے اور قرآنِ کریم کے نزول میں حروف و معانی کی ترتیب بھی اللہ تعالی کی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ترتیب ہے۔ قرآن بھی مخلوق ہوا نہ کہ خالق کا ذاتی و ابدی کلام، جسطرح کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ لامحالہ اگر مذکورہ عبارت کے تناظر میں قرآن کو منزل من اللہ نا مانا جائے تو قرآن خود رسول اللہ کا کلام ہو گا اور اس عقیدے کی بناء پر قرآن مخلوق ہو گا اور ہر مخلوق حادث و فانی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت سے اللہ تعالی کی صفات کا بھی غیر ابدی ہونا لازم آتا ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء و اصولیین و متکلمین کا ماننا ہے کہ:

> "لم يحدث له اسم ولا صفة (يعني:أنّ صفات الله وأسمائه كلّها أزلية لا بداية لها، وأبدية لا نهاية لها، لم يتجدد له تعالى صفة من صفاته ولا اسم من أسمائه، لأنّه سبحانه واجب الوجود لذاته الكامل في ذاته وصفاته، فلوحدث له صفة

---

1 علم عقائد کی تقریباً ساری کتابوں میں "نبی" کی یہ تعریف کی گئی ہے: ''نبی وہ مرد ہے جسے للہ تعالیٰ نے مبعوث کیا، احکام کی تبلیغ کے لیے''۔ اور یہی معنی عوام میں مشہور و معروف ہے اور یہی حق ہے مگر سر سید کہتا ہے کہ: ''نبوت ایک فطری چیز ہے... ہزاروں قسم کے ملکاتِ انسانی ہیں۔ بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت، ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے، شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے''(تفسیر القرآن، سر سید احمد خان، رفاہ عام سٹیم پریس لاہور، جلد 1 ص 23-24)

2 ایضا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

أو زال عنه نعت لكان قبل حدوث تلك الصفة وبعد زوال ذلک النعت ناقصاً عن مقام الكمال، 1 و ہو في حقه سبحانه من المحال، فصفاته تعالى كلّها أزلية أبديةوبالجملة :فالذي نعتقده في دين الله تعالى أنّ له عزوجل صفات أزلية قديمة قائمة بذاته عزوجل، لوازم لنفس ذاته تعالى، ومقتضَيات ـلہا بحيث لا تقدير للذات بدونها...إلخ[2]

مذکورہ اقتباس الفقہ الاکبر سے ماخوذ ہے عبارت اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ابدی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ابدی ہیں ان صفات کو زوال لاحق نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کمال اسکی صفات کے کمال کو مستلزم ہے۔ اسی طرح المعتمد المستند ہی میں منقول ہے:

صفات الله تعالى في الأزل غير محدثة ولا مخلوقة، فمن قال :إنّہا مخلوقة أو محدثة، أو وقف فيہا بأن لا يحكم بأنہا قديمة أوحادثة، أوشک فيہا، أو تردد في ہذه المسألة ونحوہا فہوكافر بالله تعالى۔[3]

ان حقائق کے مطابق سرسید احمد خاں کے افکار کے متعلق میں قارئین از خود تفکر کر سکتے ہیں.

حقیقتِ ملائک وروح القدس سرسید احمد خاں کے مطابق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سی جگہوں پر جبریل کا نام لیا ہے سورۃ البقرۃ میں فرمایا: (قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ) "[4]پس جبرئیل نے آپ کے دل میں قرآن ڈالا، دل میں ڈالنے والی وہی فطرت ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں شامل ہو، نا کہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج ہو اور خود اسکی خلقت سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہے جدا گانہ ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکہ نبوت کا نام جبرئیل ہے جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے اور قرآن کی بہت سی آیات میں اسی مفہوم کی تائید بھی کی گئی ہے مثلاً" ان علينا جمعہ وقرآنہ '' یعنی ہمارا ذمہ ہے وحی کو تیرے دل میں اکٹھا کر دینے اور پڑھ دینے کا"فاذا قرانہ فاتبع قرآنہ "پھر جب ہم پڑھ چکے ہوں پس تو پڑھے ہوئے کی پیروی کر"ثم ان علينا بيانہ '' پھر ہم پر ہے اس کا بیان کرنا۔ مذکورہ آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے وہی پڑھتا ہے وہی مطلب بتاتا ہے یہ سب کام وہی فطری قوت نبوت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مثل دیگر قوائے انسانی کے انبیاء میں رکھے ہیں اسی کا نام جبرئیل ہے،،[5] مذکورہ فکر کا مطالعہ ہم اس

1 علی بن سلیمان محمد القاری، "منح الروض الأزہر، فی شرح الفقہ الاکبر: طبع اولی 1998ء، دارالبشائر الاسلامیہ، لبنان، ص ۲۳)

2 علامہ فضل رسول قادری، المعتقد المنتقد، مکتبہ برکات المدینۃ، کراچی

احمد رضا خاں بریلوی، المعتمد المستند، مکتبہ المدینۃ، کراچی، ص:46-47 مترجم از اختر رضا خاں

3 فی "المعتقد المنتقد"، ص ۴۹

4 البقرۃ:97

5 تفسیر القرآن، صفحہ 34

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

کتاب سے بھی کر سکتے ہیں۔1 مزید اسی موضوع پر ہمیں انگریزی آرٹیکل میں سر سید احمد صاحب کے افکار مل سکتے ہیں۔2

سر سید احمد خاں کے انکارِ ملائک پر عقلی و نقلی رد:

مذکورہ تمام افکار و نظریات و اصولوں کا تقابل ہم قرآن کریم و احادیثِ مبارکہ و سلف کے اقوال کے ساتھ کرتے ہیں: **یفسر القرآن بعضه ببعض** کے تحت دیکھا جائے گا کہ قرآن کریم نے لفظِ جبرئیل سے کیا مراد لیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ((**قل مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ**))3

اے اللہ کے رسول ﷺ آپ فرما دیجئے کہ کون بڑا دشمن ہو سکتا ہے جبرئیل کا، اُس نے (قرآن) نازل کیا ہے آپ ﷺ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ جو تصدیق بیان کرنے والا ہے اور ھدایت ہے اور بشارت ہے مومنین کے لئے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ کی لفظی توضیح و مرجع کا انتخاب:

اگر آیت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فَاِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر واحد مذکر غائب کے لئے استعمال ہوئی ہے اور مذکر یا مؤنث کی ضمائر کسی شخص یا ذات کے لئے وارد ہوتی ہیں نا کہ کسی وصف کے لئے، جس طرح کہ سر سید احمد خان نے اس آیت میں جبرئیل سے مراد ملکہ نبوت لیا ہے جو کہ صفتِ وصفی ہے۔لہٰذا وصف کا اطلاق ذات پر نہیں ہو سکتا جبکہ "نَزَّلَهٗ" میں ذاتِ جبریل ہی مراد لی جائے گی کیونکہ ہ ضمیر کا مقتضیٰ یہی ہے۔

لفظِ نَزَّلَهٗ کا مقتضیٰ:

اسی طرح لفظ نَزَّلَهٗ بھی اس امر کا متقضیٰ ہے کہ کسی چیز کو بلندی سے پستی کی جانب اتارا جائے4 کیونکہ تنزیل کا معنی اتارنا ہوتا ہے یا تدریجاً کسی چیز کا نازل کرنا، اور نزول میں بلند مقام سے پستی کی جانب اتارنا کتاب اللہ کے خاص لفظ "نَزَّلَهٗ" کا تقاضا ہے۔ جو معنی سر سید اس آیت میں مراد لیتے ہیں کہ خود بخود وحی ان کے دل میں فوارے کی مثل پھوٹ پڑتی تھی یہ معنی کتاب اللہ کے خاص "نزّلہ" کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ صرفی قواعد کے

---

1 "He encouraged the use of ijtihad to reinterpret Islamic teachings to meet contemporary needs, promoting an adaptive and dynamic understanding of Islam." (Lelyveld, David. Aligarh's First Generation: Muslim Solidarity in British India' Princeton University Press, 1978)

2 **"Evolution of Syed Ahmad Khan's Religious Thought: A Note"** This JSTOR article discusses the development of Sir Syed's religious thoughts, including his views on supernatural elements like angels. Read on JSTOR

3 البقرۃ:97

4 اترنا، اور اتارنا، ان دو الفاظ میں بنیادی فرق واضح کرتا جاؤں کسی چیز کے اترنے سے مراد خود اس چیز میں اترنے کا ملکہ ہونا ہے جبکہ اتارنے سے مراد اس چیز کو کوئی دوسرا اتارے یا نازل کرے اسی لئے اس لفظ کو مجرد باب سے نہیں بلکہ مزید فیہ باب تفعیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

منافی ہے۔کیونکہ سرسید کے بیان کردہ معنی میں باب تفعیل نہیں بلکہ مجرد کا مفہوم پایا جارہاہے جوکہ لغوی غلطی ہے۔[1]

لفظ بِاِذْنِ اللّٰہ کا مقتضیٰ کیا ہے؟:

اسی طرح لفظ بِاِذْنِ اللّٰہ کا تقاضا ہے کہ نزولِ وحی میں حکمِ الٰہی کا ہونا بھی ضروری امر ہے جو کہ نصِ قطعی سے ثابت ہے سرسید احمد خان چونکہ نیچر کے متقاضی ہیں لہذا فطرتاً تو جو چیز انسانی قواء میں موجود ہو اس سے کسی مرحلے پر اجازت طلب نہیں کی جاتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی میں ماشی ہونے کی قوت ہو اور وہ شخص قوتِ ماشی یعنی پیدل چلنے سے پہلے اپنی ذات سے ہی اجازت طلب کرنے لگے۔بلکہ جو قواء طبعاً انسانی صفات کا حصہ بن چکے ہوتے ہیں وہ قواء عقل کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں جب عقل نے اشارہ کر دیا تب وہ امر ثابت ہو جاتا ہے اور سرسید احمد خاں کے مطابق وحی بھی ایک فطری امر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دل سے خود بخود فوارے کی مثل اٹھتی تھی تو پھر آیت میں باذن اللہ کے الفاظ کیوں وارد ہوئے ہیں؟ باذن اللہ کے الفاظ اس بات کی جانب اشارہ ہیں کہ کوئی دوسری ذات جس کو "ہٗ" ضمیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ وحی کے نزول میں معاوِن و مددگار تھی۔اور اسی کا نام جبرئیل ہے۔

مقتضائے عداوت ذات ہوتی ہے ناکہ وصف:

مذکورہ بالا آیت میں صراحتاً اللہ تعالی نے بیان فرمایا کہ جبرئیل کا کون دشمن ہو سکتا ہے پس بے شک اس نے (قرآن) نازل کیا ہے آپ ﷺ کے دل پر اللہ تعالی کے حکم کے ساتھ، غور کیا جائے تو معنیٰ معلوم ہو گا کہ دشمنی کسی ذات کی ہوتی ہے قوائے انسانی کی دشمنی نہیں مولی جاتی۔لہذا اگر جبرئیل کی دشمنی کی بات کی گئی ہے تو جبرئیل کوئی ذات ہے ناکہ کوئی وصف، جس طرح کہ سرسید احمد خاں نے معنیٰ مراد لیا ہے۔جب اللہ تعالی نے خود فرمادیا کہ جبرئیل نے قرآن اللہ تعالی کے حکم سے قلبِ رسول ﷺ پر نازل کیا ہے اور حکمِ الٰہی سے ہونے والے کام کو سرسید نے کہا **"ھذہ ھفوات لیس لھافی الاسلام نصیب"**[2] یہ بے وقوفوں کی باتیں ہیں اسلام میں ان باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔گویا کلام اللہ کی حثیت و مراد کے متعلق سرسید احمد خاں کا اس طرح کا جارحانہ رویہ علمی حلقوں میں قابلِ مذمت ہے۔

انتخابِ رسل میں منشاءِ خداوندی کا التزام:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ))[3]

اللہ فرشتوں میں سے اور آدمیوں میں سے رسول چن لیتا ہے، بیشک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔مذکورہ آیت مبارکہ میں عبارۃ النص سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی فرشتوں میں سے قاصد اور انسانوں میں سے نبی و پیغمبروں کا خود انتخاب کرتا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ وحی ایک فطری امر ہے اور مثل فوارے کے خود ہی اُن کے دل سے اٹھتی تھی ایسا کہنا نص قطعی کے صراحتاً خلاف ہے بلکہ کلام اللہ میں تحرّف و تبدل کے مترادف ہے جو کہ یہود کا عمل تھا۔ارشادِ باری تعالی ہے:

اس باب کی درج ذیل خاصیات ہیں:

1 (۱) تعمل (۲) موافقت (۳) ابتداء (۴) اتخاذ (۵) بلوغ (۶) سلب مأخذ (۷) قطع مأخذ (۸) اعطائے مأخذ (۹) تدریج (۱۰) صیرورت (۱۱) تحول (۱۲) مبالغہ (۱۳) تعدیہ (۱۴) تصییر (۱۵) تحویل (۱۶) قصر (۱۷) تخلیط (۱۸) وقوع (۱۹) اطعام مأخذ (۲۰) الباس مأخذ (۲۱) اخراج مأخذ (۲۲) نسبت بمأخذ

2 تفسیرِ قرآن، ص:30

3 سورۃ الحج:75

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

((اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ))[1] اللہ تعالی زیادہ جانتا ہے وہ کس کو رسول بنائے گا۔اس آیت کا مصداق بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ رسالت اللہ تعالی کی منشاء ہی پر موقوف ہے لفظ"اعلم "اسم تفضیل ہے جو کہ اللہ تعالی ہی کے لئے بولا جا سکتا ہے کوئی انسان یہ حثیت نہیں رکھتا کہ اسے اللہ تعالی سے بھی زیادہ علم ہو کہ رسالت کا معنیٰ مفہوم کیا ہو سکتا ہے۔

نزولِ وحی کی قرآنی صورتیں اور سرسید کے مؤقف کارد:

ارشادِ باری تعالی ہے:

((وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ-اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ))[2] اور کسی آدمی کیلئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا(یوں کہ وہ آدمی عظمت کے)پردے کے پیچھے ہو یا(یہ کہ)اللہ کوئی فرشتہ بھیجے تو وہ فرشتہ اس کے حکم سے وحی پہنچائے جو اللہ چاہے۔بیشک وہ بلندی والا، حکمت والا ہے۔

مذکورۃ آیت مبارکہ میں وحی کی تین صورتیں مذکور ہیں پہلی صورت میں مذکور ہے اللہ تعالی کسی بشر سے وحی کے ذریعے کلام کرتا ہے دوسری صورت یا پردے کے پیچھے سے کلام کرتا ہے تیسری صورت یہ کہ یا قاصد بھیجتا ہے اپنے حکم کے ساتھ۔ان تینوں صورتوں میں وحی کے باہر سے اندر آنے کا ذکر ہے۔جبکہ دل ہی دل میں وحی کے القاء کی کوئی صورت مذکور نہیں ہے جو سرسید احمد خان کا موقف ہے بلکہ حدیث مبارکہ میں بالصریح وحی کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ صحیح البخاری میں صحیح روایت مذکور ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي، وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ"، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ، وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا))[3]

> "ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی آپ نے فرمایا کہ ایک شخص حارث بن ہشام نامی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ! آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وحی نازل ہوتے وقت کبھی مجھ کو گھنٹی کی سی آواز محسوس ہوتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گذرتی ہے۔جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میرے دل و دماغ پر اس)فرشتے (کے ذریعہ نازل شدہ وحی محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بشکل انسان میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔پس میں اس کا کہا ہوا یاد رکھ لیتا ہوں۔عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے سخت کڑاکے کی سردی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب اس کا سلسلہ موقوف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پسینے سے شرابور تھی۔"

مذکورہ حدیث مبارکہ میں صلصلۃ الجرس وحی کے وقت سماعت کرنا نبی ﷺ پر بہت شاق گزرتا تھا گویا کہ وحی کا یہ طریقہ حسّی تھا اور دوسری حالت

---

1 الانعام:124

2 الشوری:50

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث 2۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

میں فرمایا کہ فرشتے کے ذریعے وحی نازل ہوتی تھی جو انسانی شکل میں آتا تھا۔ ان تمام نصوص وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد خاں کا نقطہ نظر وحی و نزولِ وحی کے باب میں قابلِ تردید ہے اور نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

مافوق الفطرت (سپر نیچرل) افعال کا ورود سر سید احمد خاں کے نزدیک محال ہے:

سر سید احمد خان کے نزدیک مافوق الفطرت (سپر نیچرل) افعال کا ورود صاحبِ شرع سے بھی محال ہے۔ 1 تحریر فی اصول التفسیر کے اصل الثامن و اصل التاسع میں لکھتے ہیں:

جس طرح اللہ تعالی کے وعدوں میں تخلف محال ہے اسی طرح تعالی کے قانونِ قدرت میں بھی تخلف محال ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالی کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرے اور کام نا کرے اور یہ بھی نہیں ممکن کہ اللہ تعالی قانون فطرت کے منافی ہی کوئی کام کر دے۔"[2]

سر سید احمد خان کی قانونِ فطرت سے مراد اللہ تعالی کا عملی قانون ((Practical examples of Nurture) ہے۔ اس اصول سے بنیادی طور پر سر سید کا عملیت پسند ہونا واضح ہوتا ہے۔ ایک عملیت پسند شخص ہر چیز کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اس کے مطابق اشیاء کی ماہیت و ہیت کا ثبوت ہی اُن کے وجود کی دلیل ہوتی ہے۔ مافوق الفطرت افعال کے ورود کی عملیت پسند شخص کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ سر سید کی فکر کے متعلق مستشرق Peter Hardy کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔[3] مذکورہ بالا اصول کے تحت سر سید لکھتے ہیں:

"اما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه السلام ما ادعی باحدٍ من المعجزات وقال علیه السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد"[4] جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن میں جن معجزات کا تذکرہ ہے ان میں سے کسی ایک کے بارے بھی آپ ﷺ نے دعوی نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں میری جانب وحی کی جاتی ہے بے شک تمہارا الہ ایک الہ ہے۔

سر سید احمد خاں اسی اصول کے تحت بنیادی طور پر قرآن میں مذکور انبیاء کرام کے معجزات جو مافوق العادت ہوتے ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بات ثابت از حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے جن اشیاء کو ان کی فطرت پر تخلیق فرمایا ہے اُن اشیاء کا اپنی فطرت کے مطابق کام کرنا مسلّمہ حقیقت ہے۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے وہ اپنی فطرت کے مطابق جلاتی ہے۔ بھاری شئی کا پانی میں ڈوبنا فطرتی عمل ہے اللہ تعالی نے اشیاء کو ان کی فطرت کے تحت بنایا ہے اور جب تک اللہ تعالی کی منشاء نا ہو وہ اشیاء اپنی ماہیت میں خلافِ فطرت کام نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ہر شئی اپنی ماہیت کے حساب سے ایک مربوط نظام کے تحت کام کر رہی ہے۔ جسطرح اس کائنات کا نظام خود بخود وجود میں نہیں آیا بلکہ اس نظام کا صانع اللہ تعالی ہے اسی طرح اشیاء کی فطرت اور نیچر بھی اللہ تعالی کی تخلیق کردہ ہے اللہ تعالی ہی ان اشیاء کی فطرت کا صانع و خالق ہے اور تمام اشیا اللہ کی منشاء ایزدی کے تابع ہیں مجموعی طور تمام اشیاء کی فطرت و نیچر کا خالق اللہ تعالی ہے کوئی شئی

---

1 Hasan, T.,*The Aligarh Movement and the Making of the Indian Muslim Mind, 1857-2002*. Rupa & Co. (2006).

تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں، ص:342

3 Sir Syed Ahmad Khan was a vocal critic of the superstitious beliefs and practices that were prevalent among Muslims, advocating for a rational and Quran-based faith (Hardy, Peter, The Muslims of British India, Cambridge University Press, 1972

4 مقالات سر سید، ج2، ص:239

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

اپنی ماہیت و فطرت و نیچر میں اللہ تعالی کے حکمِ تکوینی کے بغیر عمل نہیں کر سکتی۔ مثلاً

ارشادِ باری تعالی ہے:

((اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَ ھُمْ دٰخِرُوْنَ))[1]

"اور کیا انہوں نے اس طرف نہ دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا فرمائی ہے اس کے سائے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتے ہیں اور وہ سائے عاجزی کر رہے ہیں۔"

اب اگر غور کیا جائے تو سائے اور درختوں کا سجدہ تو جن و انس کی مثل نہیں ہے اور نا ہی یہ اشیاء جن و انس کی مثل احکام کی مکلّف ہیں تو پھر سر سید احمد کا آیات و بینات کے الفاظ سے معجزات کے باب میں آیاتِ احکام مراد لینا درست نہیں ہے۔

کیا ذاتِ واجب الوجود متبع فطرت ہے؟؟

بقول مولانا گوہر رحمان صاحب:

اگر اللہ تعالی نے نیچر اور فطرت کو تخلیق کیا ہے تو اس کا یہ مطلب لینا بھی درست نہیں ہے کہ اللہ تعالی کا نیچر کی خلاف ورزی کرنا محال ہے۔ کیونکہ فطرت اللہ تعالی کے حکمِ مشیت کی تابع ہے جبکہ اللہ تعالی نیچر یا فطرت کا تابع و فرماں روا نہیں ہو سکتا اس طرح اللہ تعالی کا محکوم ہونا لازم آئے گا جو کہ اسکی صفِ حی و غالب ہونے کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگ کا کام جلانا تھا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو حکم ہوا: قلنا یا نارکونی برداً وسلاماً علی ابراھیم[2] جب ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا تو وہ سکون والی ہو گئی۔ پس معلوم ہوا فطرت بھی اللہ تعالی کے حکم کے تابع ہے۔ سر سید احمد نے ان آیات کا حوالہ دیا ہے جن میں کہا گیا کہ زوجین کے نطفے سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے آگ کا کام جلانا ہے۔ اِن تمام آیات میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ سب کام نیچر اور فطرت کے تحت طے پاتے ہیں لیکن نیچر کا کام بھی اللہ تعالی ہی کی منشاء کے تابع ہے جب حکم ہو گا نیچر بھی سلب ہو سکتی ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ کے قولی و عملی وعدوں کے معنی کا تعین و سر سید احمد خاں کی آراء کا رد:

سر سید احمد خاں کا اللہ تعالی کے قولی وعدے کو عملی وعدے پر منضبط کرنا بھی درست نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہ بات تو بیان فرمائی ہے: ((إِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیعَادَ)) بے شک اللہ تعالی اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا[4] اللہ تعالی کے اس حکم کے تحت ہمیں کسی وعدے کی خلاف ورزی کی مثال بھی نہیں ملتی ہے۔ لیکن دوسری طرف اللہ تعالی نے یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ وہ قانونِ فطرت کے یا نیچر کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ جبکہ خلافِ فطرت نا کرنے کا کوئی دعویٰ بھی مذکور نہیں ہے۔ اور اللہ تعالی کا نیچر کے خلاف کئی کام کرنے کی امثلہ قرآن میں مذکور

---

1 النحل:48

2 سورۃ الانبیاء:69

3 گوہر رحمان، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ج،2، ص:402

4 ال عمران:9

ہیں۔اور اسی چیز کا نام معجزہ ہے۔

سر سید احمد خاں کا معجزات کے بارے یہ دعوی ہے کہ نبی ﷺ نے کسی معجزے کا دعوی نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو تمہاری مثل بشر ہوں لہذا معجزے کی نسبت آپ ﷺ کی جانب درست نہیں ہے۔ لیکن سر سید احمد خاں کی یہ عقلی دلیل ناقص ہے کیونکہ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے نبی ﷺ کے معجزات ذاتی نہیں ہیں بلکہ عطائی ہیں جن آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں ان سے مراد معجزات کی کلیۃً نفی نہیں ہے بلکہ مراد یہ کہ آپ ﷺ ذاتی طور پر کسی معجزے کو نمودار نہیں فرماتے اللہ تعالی کی جانب سے ہی معجزات آپ ﷺ کے ہاتھ پر جاری ہوتے ہیں۔[1]

سنۃ اللہ کے غیر متبدل ہونے کی توجیح:

سر سید احمد خاں نے جن آیات کو سنۃ اللہ کے غیر متبدل ہونے میں بطورِ دلیل پیش کیا ہے وہ آیات سنۃ اللہ کے مفہوم میں وارد ہی نہیں ہوئیں بلکہ آیات کا سیاق وسباق متقاضی ہے کہ ان آیات کا معنیٰ سنۃ اللہ ہو ہی نہیں سکتا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالی ہے:

((فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيْلًا))[2] "تم ہر گز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہر گز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے"

مذکورہ آیۃ مبارکہ کے سیاق میں کفار و مشرکین کا تذکرہ ہوا ہے وہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالی کا رسول ہمارے درمیان تشریف لائے گا ہم اس کی اطاعت کریں گے لیکن جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے وہ تکذیب کرنے لگے تو اللہ تعالی نے فرمایا کیا تم اللہ کی اس سنت کا انتظار کر رہے ہو کہ اس نے سابقہ قوموں کو عذاب دیا ہے وہ تمہیں بھی عذاب دے۔[3]

((وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا))[4] اور ہر گز تم اللہ کی سنت بدلتے ہوئے نہیں پاوں گے۔

حدیبیہ کے موقع پر اگر کفار جنگ کرتے اور بھاگ جاتے تو اللہ کی یہی سنت ہے وہ ان کو شکست سے دوچار کرتا۔ مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی سنت سے مراد قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرنا مراد نہیں ہے بلکہ ان آیات کا مفہوم و معنیٰ شان نزول وسببِ نزول پر منحصر ہے۔ تفسیری اصولوں کے مطابق سیاق وسباق کے معانی کو بھی جاننا مفسر کے لئے ضروری ہوتا ہے تاکہ صحیح معنیٰ کا انتخاب کیا جاسکے۔

معجزہ موسیٰ "اضرب بعصاک الحجر" کی تاویل سر سید احمد خاں کے نکتہ نظر سے:

بنی اسرائیل اپنی صحراءنوردی کے زمانے میں ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں پانی کم تھا پیاس کی شدت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے پر بنی اسرائیل کو مجبور کر دیا کہ ہمارے لئے پانی کا بندوبست کیا جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا فرمائی پس اللہ تعالی نے وحی نازل فرمائی کہ پتھر پر عصامارو، حضرت موسی علیہ السلام نے پتھر پر عصامارا بارہ چشمے پانی کے پھوٹنے لگے بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ تھے لہذا ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ منتخب کر لیا اور پانی پیا۔اس واقعہ کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

---

1 مولانا گوہر الرحمان، علوم القرآن، ص:403

2 سورۃ الفاطر:43

3 سعیدی، غلام الرسول، مولانا، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، ج9،

4 الفتح:23

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

((وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ-فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًاؕ-قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْؕ-كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ))[1]

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا کھاؤ اور پیو خدا کا دیا اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو۔"

((وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَۚ-فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًاؕ))[2]

"ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔"

سر سید احمد خاں کا لغتِ عرب سے انحراف:

لفظِ "اضرب" کے بعد اگر حرفِ جار "فی" متصل آئے تو معنی ہو گا زمین پر چلنا مثلاً ((وَ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ أي: سافرتم في البلاد))[3] جبکہ اگر "اضرب" بغیر "فی" کے آئے تو معنی ہو گا تم مارو جس کا مصدری معنی مارنا ہو گا۔ سر سید احمد خاں نے مذکورہ آیت میں لفظ اضرب جو کہ بغیر فی کے مستعمل ہے یہاں لفظِ فی کو مقدر مانا ہے اور معنی کیا ہے: اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَر تم اپنے عصا کے سہارے پہاڑی پر چڑھو اس پہاڑی کے دوسری جانب ایک مقام ہے جسے تورات میں ایلم کہا گیا ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے پہلے سے بہ رہے ہیں وہاں سے استفادہ کرو۔ جبکہ آیات میں مذکورہ الفاظ فَانْۢبَجَسَتْ اور فَانْفَجَرَتْ میں متصل فاء فصیحیہ ہے جو اس بات کی متقاضی ہے کہ اضرب فعل کا مسبب بنے یعنی لاٹھی مارنے سے ہی چشمے پھوٹے تھے۔[4]

قرآنی آیات کی تاویلاتِ فاسدہ سر سید احمد خاں کے قلم سے:

جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تو بحر قلزم کے کنارے بنی اسرائیل کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے جبکہ سمندر اپنی موجوں کی روانی میں تھا۔ وحی نازل ہوئی ((''فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَفَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ))[5] "تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ۔"

---

1 البقرہ:60

2 الاعراف:160

3 النساء:101

4 الزبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواھر القاموس، ناشر الھلاوی، فی مادۃ "ض ر ب" من صلۃ "فی"

5 الشعراء:63

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مذکورہ نحوی قانون کے مطابق یہاں لفظِ اضرب کا معنی مارنا بنتا ہے کیونکہ یہ بغیر لفظِ فی کے وارد ہوا ہے جبکہ سید احمد خاں نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ تو اپنی لاٹھی کے سہارے سمندر میں چل، مثلِ سابق ہم نے فاء فصیحیہ کا معنی بیان کیا جس کا مطلب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں عصامارا جس کی وجہ سے سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جبکہ سید احمد معنی مراد لیتے ہیں کہ سمندر پہلے سے پایاب تھا تو اپنی لاٹھی کے سہارے سمندر سے گزر جا۔ اگر سمندر پہلے سے کم یاب تھا تو فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ کا کیا معنیٰ ہو گا جس کا مطلب ہے پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اگر پانی زیادہ نہیں تھا تو دو حصوں میں تقسیم ہونا کیونکر ممکن تھا۔؟

اس طرح کے تمام معانی جو کبار مفسرین نے مراد نہیں لئے سر سید احمد خاں کے ہاں مستعمل تھے۔

نسخ القرآن کی حقیقت سر سید احمد خاں کے نکتہ تحقیق میں:

سر سید احمد خاں کا نسخ فی القرآن کے متعلق موقف بڑا واضح ہے جس میں کوئی تاویلِ خفی کی گنجائش نہیں ہے۔ تفسیر القرآن کے صفحہ 28 میں الاصل الثانی عشر کے تحت لکھتے ہیں:

"قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ آیات نہیں ہیں۔ یعنی اسکی (قرآن) کوئی آیت دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہے"

"ولیس فی القرآن نوع من الاشارةعلی ھذا واما آیاته "ما ننسخ من آیة او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا متعلقة بشرائع ما قبل الاسلام لا بأیات ِالقرآن ولا شک ان ِاھل الکتاب من الیھود والنصارٰ ی والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرایعھم فذکرہ سبحانه تعا لی اوّلاً وقال ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولاالمشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمته من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ثم قال ما ننسخ من آیت او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر۔[1] فظاھر ان ِالنسخ المذکورة فی الآیة المذکورة متعلق بشرایع ما قبل الاسلام لا بأیات ِالقرآن،ولا دلیل علی انّ المراد بلفظ الآیة فی قوله "واذا بدلنا آیة مکان آیة"[2] آیات القرآن ولا دلیل علی قوله "یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب3" متعلق بنسخ القرآن فتدبر۔"[4]

قرآن میں نسخ کے متعلق کوئی اشارۃ نہیں ملتا البتہ جس آیت میں کہا گیا کہ ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا بھلاتے نہیں ہیں ہم اس سے بہتر آیت یا اسی طرح کی آیت لے آتے ہیں تو اس جگہ قبل از اسلام کی شریعتیں مراد ہیں نا کہ آیات القرآن مراد ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود و نصاری و مشرکین اسلام کے اُن احکام کو پسند نہیں کرتے تھے جو اُن کی شریعت کے خلاف وارد ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے پہل یہ ارشاد فرمایا کہ اھل الکتاب سے کفار و مشرکین نہیں چاہتے کہ آپ ﷺ پر کوئی خیر والا حکم نازل ہو اور اللہ تعالی چن لیتا اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالی فضل والا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ حکم فرمایا کہ ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا اسے بھلاتے نہیں ہیں جبکہ ہم اس جیسی یا اس سے بہتر حکم والی آیت لے آتے ہیں اللہ

---

1 البقرۃ:99

2 النحل:103

3 الرعد:39

4 تفسیر القرآن،ص:28

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

تعالیٰ تمہیں جانتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے آیتِ مذکورہ میں آیات سے مراد شرائع قبل الاسلام ہیں نا کہ احکامِ قرآن مراد ہیں۔ اور اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ مذکورہ آیت میں لفظِ آیت سے قرآن کی آیت مراد ہو بہر حال تم بھی اس معاملے میں تدبر کرو۔

خلافِ عقل وماورائے عقل احکام کے مابین اصولی فرق:

خلافِ عقل کا مطلب ہوتا ہے کسی شئ کا عقل کے زاویوں کے مکمل خلاف ہونا کہ ذہنی استعداد بھی اس شئ کو قبول نا کرے یعنی کسی شئ کا غلط ہونا جبکہ ماورائے عقل کا مطلب ہوتا ہے کسی شئ کا عقل کے زاویوں کے مطابق ہونا لیکن عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہو، اور یہ فقاہت عقل کی استعداد سے بہت علو ہو۔ اس اعتبار سے کہ نقص عقل میں ہونا کہ شئ کی حقیقت میں مثلاً وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی ماہیت و حقیقت کا جاننا۔ قرآن کا فلسفہ معجزات ماورائے عقل تو ہے لیکن خلافِ عقل نہیں ہے۔

سرسید احمد خان کی نسخ القرآن کے متعلق عقلی دلیل کا فکری رد:

بقول سرسید احمد خاں:

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ میں آیات سے مراد، قرآن کریم کی آیات نہیں، بلکہ اس سے مراد ہے شرائع سابقہ کا نسخ ہے۔ کیونکہ قرآن نسخ کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ سورہ نحل کی آیات میں کہا گیا ہے:((وَإِذَا بَدَّلْنَا ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ))1"اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں۔"

سرسید احمد صاحب کی یہ توجیہ، دلیل سے عاری مجرد ایک دعویٰ ہے جو خود محتاجِ دلیل ہے، اس کے بُطلان پر مندرجہ ذیل امور شاہد ہیں۔

1. آیت کا لفظ جب مطلق بولا جائے، تو اس سے مراد آیاتِ قرآنی ہی ہوتی ہیں کیونکہ وہی ہمارے ہاں معہودِ ذہنی ہوا کرتی ہیں، اس سے خواہ مخواہ تورات و انجیل کی آیات مراد لینا، جبکہ ان کتبِ سابقہ کا سیاق وسباق میں سرے سے ذکر ہی نہ ہو، ایک بیجا سخن سازی ہے۔
2. آیتِ نسخ کے مخاطب، اہل ایمان ہیں نہ کہ اہل کتاب، کیونکہ آیت جس رکوع میں شامل ہے اس کا آغاز ہی يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا کے الفاظ سے ہوتا ہے، لہذا جب اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ کہا جائے کہ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ (ہم جو آیت بھی منسوخ کرتے ہیں۔۔) تو اس سے بالیقین آیاتِ قرآن ہی مراد ہوں گی نہ کہ تورات اور انجیل کی آیات۔2
3. اگر آیت سے مراد سابقہ وحی ہوتی تو قرآن ما ننسخ من وحی یا ما ننسخ من کتاب یا ما ننسخ من شرعة کے الفاظ استعمال کرتا جو مفہومِ سرسید احمد خاں کو ادا کرنے کے لئے زیادہ مناسب اور موزوں تھے۔

تقلیدِ استشراق کی آڑھ میں سرسید احمد خاں کا نصوصِ قطعیہ سے مقصدی انحراف:

جمہور اہل اسلام اور محقق علما کے ہاں قرآن میں نسخ کا وقوع، قرآن کا باعتبارِ فصاحت وبلاغت معجزہ ہونا اور تاریخی واقعات سے متعلق قصص قرآنی کی مسلمہ حیثیت، ایسے امور ہیں جو تسلیم شدہ اور ناقابلِ انکار علمی حقائق کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن مستشرقین یورپ نے اپنے اسلام مخالف مقاصد کے پیشِ نظر

1 النحل:101

2 سعیدی، تبیان القرآن: ج1

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

ان امور سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔1 ناسخ ومنسوخ کے تصور سے مستشرقین نے قرآن میں تضاد بیانی ثابت کرنے کی جسارت کی۔ مثلاً انہوں نے لکھا کہ ناسخ ومنسوخ مسلم علماء کا وضع کردہ وہ طریق ہے جس کے ذریعے وہ قرآنی آیات میں موجود تضاد کو رفع کرنے کی سعی کرتے ہیں۔2 انہوں نے ناسخ ومنسوخ کو اسلام کی کمزوری باور کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ اس سے خدا کے استقلالِ فیصلہ میں نقص لازم آتا ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا کا ذہن تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ وہ ایک حکم دیتا ہے، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ پہلا حکم مناسب نہیں تھا لہٰذا دوسرا حکم نافذ کر دیا جاتا ہے۔3۔ اعجازالقرآن کے ضمن میں عیسائی اہل قلم اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں کہ قرآن فصاحت وبلاغت کے ایسے انتہائی معیار پر پہنچا ہوا ہے جو انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر قرآن کو انتہائی فصیح وبلیغ کلام مان بھی لیا جائے تو بھی اسے معجزہ اور کلام الٰہی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو لاطینی ویونانی زبانوں کی فصیح وبلیغ کتابیں بھی معجزہ اور کلامِ الٰہی ماننی پڑیں گی۔4 قصصِ قرآنی سے متعلق مستشرقین نے ہرزہ سرائی کی کہ یہ عہد نامہ قدیم وجدید بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان غیر مستند انجیلوں اور روایات سے ماخوذ ہیں جو عہدِ نزولِ قرآن کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھیں۔5

زیرِ نظر امور کے حوالے استشراقی اثرات کے زیرِ اثر سرسید نے نسخ اور قرآن کے بلحاظ فصاحت وبلاغت معجزہ ہونے کا انکار کیا ہے اور قصصِ قرآنی سے متعلق دورازکار تاویلات سے کام لیا ہے۔ نسخ کے ضمن میں سورہ البقرہ کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر میں جمہور علماء کے موقف کو سختی سے رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "کہ اس آیت کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے بے انتہا کج بحثیاں کی ہیں اور اسلام بلکہ خدا کو بدنام کیا ہے اور قرآن کو ایک شاعر کی بیاض بنادیا ہے۔ ان لوگوں نے نہایت غلط طور پر لفظ آیت کو قرآنی آیت پر محمول کرتے ہوئے جھوٹی اور مصنوعی روایات کے زور پر قرآن میں نسخ کے حوالے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں، حالانکہ یہ بات نہ صرف خدا کی شان کے خلاف ہے بلکہ قرآن کے ادب کے بھی خلاف ہے۔ یہ بات تومانی جاسکتی ہے کہ کچھ احکام شرائع سابقہ میں مامور بہ تھے مگر شرائع مابعد میں نہیں رہے، لیکن یہ بات کوئی ذی عقل کسی طور نہیں مان سکتا کہ شریعتِ محمدی میں پہلے ایک حکم دیا گیا اور بعد میں کسی دوسرے وقت میں منسوخ کر دیا گیا۔"6

---

1 Malik, H‹. *Sir Syed Ahmad Khan and the Muslim Cause in British India*. New York: Oxford University Press. (1980)

2 عزیز احمد، پروفیسر، برِصغیر میں اسلامی جدیدیت، (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی)، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۸۱، ۸۰۔

3 Palmer, E, The Quran with an Introduction by R.Nicholson, first published 1880,Oxford University press, 1928, p.53.

4 رحمت اللہ کیرانوی، مولانا، بائبل سے قرآن تک، (مترجم، اکبر علی)، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۳۸۹ھ، جلد دوم، ص ۳۶۵۔

5 ایضاً

6 سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، ص ۲۳۶۔۲۴۵۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

نسخ فی الاحکام کی الوہی حکمتیں:

دنیا کی حکومتوں میں نسخِ احکام کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن خدائی احکام میں نسخ کا وقوع، ان وجوہ و مصالح سے مختلف ہے جن کی بناء پر حکام دنیا اپنے احکام منسوخ کرتے رہتے ہیں۔ انسانی احکام میں نسخ کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ پہلا حکم غلط فہمی کی بناء پر جاری ہوتا ہے اور بعد میں جب اس کے غلط نتائج ابھر کر سامنے آتے ہیں تو اسے بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ایک دوسرے حکم کے ذریعہ حکم سابق کو منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ نسخِ احکام کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حاکم نیک نیتی سے ایک حکم جاری کرے لیکن اسے حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو اور تبدیلی شئون و اطوار کا پیشگی علم نہ ہو، اس طرح حالات کے متغیر ہونے پر اسے نئے حکم کے اجراء کی ضرورت محسوس ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ کا وقوع نہ تو اس وجہ سے ہے کہ اس نے پہلا حکم کسی غلط فہمی کی بناء پر دیا تھا جسے بعد میں بدلنے کی ضرورت پڑ گئی اور نہ ہی اس وجہ سے کہ اسے معاذ اللہ تبدیلی احوال کا پیشگی علم نہ تھا، اور بعد کے تغیر پذیر حالات میں اسے نیا حکم دینا پڑا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بالاتر ہے کہ کسی وقت، کسی چیز سے وہ جاہل اور بے خبر ہو، تخلیق کائنات سے قبل، اس کے بعد، حتیٰ کہ فناء کائنات کے بعد بھی ہر چیز کے جملہ کلیات و جزئیات کا علم، بلا لحاظ تفریق زمان و مکان، ہمیشہ اور ہر وقت حاصل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ کی وجوہ و مصالح وہ نہیں ہیں جو انسانی احکام کے نسخ میں پائی جاتی ہیں۔

نسخِ احکام کی ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ حکم دینے والا پہلے سے جانتا ہو کہ حالات بدلیں گے اور موجودہ حکم اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک موجودہ حالات برقرار رہیں گے۔ احوال و اطوار کے تغیر پذیر ہونے کے بعد، انہیں دوسرے حکم کا اجراء کرنا پڑے گا۔ تبدیلی احکام کی یہ وہ صورت ہے جس کا ہم روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مصالح و حکم، اشخاص و اقوام، احوال و اطوار، اور امکنہ و ازمنہ کے لحاظ سے اختلاف پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک طبیب، ایک مریض کو دوا کھانے کا حکم دیتا ہے، وہ جانتا ہے کہ دو چار دن کی اس دوا کے بعد مریض کا حال بدلے گا، پھر جونہی مریض کی حالت بدلتی ہے وہ دوسری دوا تجویز کر ڈالتا ہے اور پہلی دوا کو منسوخ کر دیتا ہے۔ پہلی دوا کا حکم اور دوسری دوا کے کھانے سے پہلی دوا کا حکمِ نسخ، یہ سب کچھ مریض کے معالج کے علم میں تھا۔

اسی طرح ایک بچے کو پالنے والی ماں، ابتداء دودھ جیسی نرم اور ہلکی غذا بچے کو دیتی ہے، پھر ایک عرصہ کے بعد وہ ہلکی غذا سے ثقیل غذا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اسی طرح مرورِ ایام کے ساتھ ثقیل تر غذاؤں کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ یہی حال ایک معلم کا ہے کہ وہ آغازِ تعلیم میں اپنے تلامذہ کو آسان ترین معلومات فراہم کرتا ہے۔ پھر وہ درجہ بدرجہ آسان ترین سے آسان تر اور آسان تر سے آسان، اور آسان سے مشکل، اور مشکل سے مشکل تر اور پھر مشکل تر سے مشکل ترین معلومات کی طرف اپنے طلبہ کو لے جاتا ہے جس سے طلبہ کو مرحلہ وار عقلی کمال اور فکری عروج کی طرف لے جاتا ہے، جن میں ہر حالت کے احکام، بعد والی حالت کے احکام کے لئے جگہ خالی کرتے چلے جاتے ہیں۔

اقوام عالم بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ افراد کی طرح، اقوام بھی مختلف حالات سے گزرتی ہیں ہر حالت کے لئے مناسب قوانین انہیں دیئے جاتے ہیں۔ حالات کے بدل جانے پر احکام سابقہ کی جگہ نئے احکام آ جاتے ہیں جو موجودہ حالات کے لئے اسی طرح سازگار ہیں جس طرح سابقہ احکام گزشتہ حالت کے لئے سازگار تھے۔ تغیر احوال کے ساتھ اگر تبدیلی احکام نہ واقع ہو تو احکام اور حکمتوں اور قوانین اور ان کی مصلحتوں میں اختلال واقع ہو جاتا ہے۔

احکام خداوندی اور اس کی نازل کردہ کتابوں میں نسخ کی یہی صورت واقع ہوتی ہے، حالات کے تغیر و تبدل کے باعث کبھی ایسا ہوتا رہا کہ ایک نبی کی تعلیمات کو ایک عرصہ تک جاری رکھا گیا اور پھر تبدیلی حالات کے پیش نظر، بعد کے نبی کے ذریعہ حکم سابق کو بدل کر حکم جدید جاری کر دیا گیا اور کبھی یوں بھی ہوا کہ ایک ہی نبی کی شریعت میں کسی مصلحت کے تحت ایک حکم دیا اور بعد میں اس حکم کو بدل دیا۔ یہ ہے نسخ احکام کی اصل حقیقت، مسلم عقلاء نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا۔ یہود نے نسخ کو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے پہلو سے دیکھنے کی بجائے، اس کے علم میں نقص و جہالت کے پہلو سے دیکھا اور اس پر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.8 No.2 2024

زبانِ طعن دراز کی، اسلامی تاریخ میں، فرقہ معتزلہ کے ایک عالم ابو مسلم اصفہانی نے اعتراضاتِ یہود سے مرعوب ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ۔۔ "احکام الٰہیہ میں وقوعِ نسخ اگرچہ ممکن ہے لیکن عملاً اس کا وقوع کبھی ہوا نہیں ہے"۔۔

لیکن سر سید احمد خاں، ابو مسلم اصفہانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے اور یہود کی طرح، انہوں نے بھی مسئلہ نسخ کو، اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے پہلو سے دیکھنے کی بجائے، اس کے نقصِ علم کے پہلو سے دیکھا، پھر مزید ستم بالائے ستم یہ کہ اس غلط زاویہ نظر سے اس مسئلہ کو خود دیکھ کر، اس کی نسبت، ان علماءِ امت کی طرف کر دی جو ببانگ دہل، اس نقطہ نظر سے دیکھنے کے منکر ہیں، چنانچہ وہ آیت نسخ کا ایک ایسا مفہوم، خود گھڑ کر علماءِ امت کے کھاتے میں ڈالتے ہیں جس کو آج تک علماء میں سے نہ کسی نے لکھا ہے اور نہ ہی بیان کیا ہے۔

نتائجِ بحث:

سر سید احمد خان کے تفسیری اصول ان کی ذاتی افکار پر مبنی ہیں جو کہ جمہور صحابہ و تابعین و سلف صالحین کے تفسیری اصولوں کے خلاف ہیں۔ قرآنی آیات کے جو معانی سر سید احمد خان منتخب کرتے ہیں اُن کے اعتقاد کے مطابق حتمی مانے گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی منشاء کے صریحاً خلاف ہیں۔ لہٰذا آپ کی تفسیر بالرائے مذموم کی نمائندہ تفسیر ہے جس میں امت مسلمہ کے مسلّمہ عقائد و قرآنی معانی و مفاہیم سے صریحاً عدول کیا گیا ہے۔ ایسے خیالات جن کے بارے سر سید احمد خان اپنی ذاتی رائے کا استعمال کرتے ہوئے تاویلات کرتے ہیں اسلام میں ان کی گنجائش نہیں نکلتی۔ بحثیتِ طالب علم راقم الحروف کو سر سید احمد خاں کے تفسیری اصولوں کا مطالعہ کرنے سے جن باطل اُمور سے تکشّف ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں:

- صاحبِ تفسیر القرآن نے بالعموم ملائکہ وبالخصوص حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حقیقت کا انکار کیا ہے وہ دراصل نصوصِ قطعیہ کا انکار ہے۔ ایک ایسا محقق جو قرآن کے معانی و مطالب کو اپنی حُبِّ باطل کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے وہ صراحتاً سوادِ اعظم کی خلاف ورزی کرتا ہوا اسلامی شعائر کا بھی منکر ہو گا۔
- قرآنِ کریم کی کثیر آیات ایسی ہیں جن کے حقائق پر آج سائنسی تحقیقات بھی رشک کرتی ہیں جن حقائق کو آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل انکشاف کیا گیا تھا سائنسی علوم وفنون آج ان حقائق کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں مثلاً آپ ﷺ کا معراج پر تشریف لے جانا، شقِ قمر، و دیگر معجزات کا صدور ہونا ماہر علومِ طبعیات نے ان واقعات کی تصدیق کی ہے لیکن سر سید احمد خاں نے چونکہ انگریز پرستی میں دو قدم آگے بڑھ کر امت کو گمراہی کے دھانے لا کھڑا کرنے کا عندیہ اپنے ذمہ لے رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ سر سید نے قرآن آیات کو باطل تاویلات کے ذریعے سائنس کے تابع کرنے کی بھرپور کوشش کی جو کہ ناکام رہی۔ جبکہ سائنس قرآنی علوم کے تابع ہے۔1
- قرآنِ کریم میں نسخ کا شمار اللہ تعالیٰ کی رحمتوں واحسانوں میں سے ایک احسان ہے یہی وجہ ہے متقدمین فقہاء نے قرآن میں بالعموم نسخ کو تسلیم کیا اور اپنے موٴقف پر کڑے دلائل بھی دیئے اور متاخرین فقہاء میں علامہ سیوطی نے (بیس)20، عبد العظیم زرقانی نے 8(آٹھ)، گوھر الرحمان نے 6(چھ) اور شاہ ولی اللہ جیسے اجل فقہاء نے (پانچ)5 آیات کو منسوک مانا ہے اپنے موٴقف پر دلائل دیے ہیں سر سید احمد خاں نے نسخ فی القرآن کا انکار کرتے ہوئے سیاق وسباق آیات کی ایسی دور راہ تاویلات کیں ہیں جو عقلاً و نقلاً مانع از تسلیم ہیں۔2

---

1 محمد یاسین مظہر صدیقی، سر سید احمد خاں اور علومِ اسلامیہ، ادارہ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، 2002، ص:65

2 ایضاً